عیدالاضحیٰ کی قربانی

تحریر: جناب غلام سرور قریشی۔ عباس پورہ جہلم

عقائد وعبادات اسلام کا پورا پورا علم، علمائے اسلام نے اپنی تعلیمات، تبلیغات اور تصانیف کے ذریعے اتنا عام کر دیا ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اس سے فیض یاب ہو رہا ہے اس لیے میں اپنی اس تحریر میں کوئی آگاہی ایسی نہیں دے سکتا جو قارئین کرام کو پہلے سے حاصل نہ ہو۔ صرف اپنے محسوسات ضبط تحریر میں لا کر اس اخلاص نیت اور تقویٰ کی شان بیان کرنا چاہتا ہوں، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی کے دوران ہر فعل اور عمل میں روح کی طرح جاری وساری رہا۔ بھلا وہ کیا کڑا وقت ہوگا جب باپ آزر نے انہیں اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا ہوگا۔ سوچتے ہوں گے کہاں جائیں اور کیا کریں مگر اوّاب وحلیم تھے۔ مشرک اور ظالم باپ کی حکم عدولی کرنے کا کوئی شائبہ دل اور سایہ تک حاشیہ خیال میں نہ آیا۔ آداب فرزندی بجالائے اور وعدہ دعائے مغفرت کر کے گھر سے نکل کر انجانی راہوں پر اجنبی اور ان دیکھی منزل کی طرف چل پڑے۔

یہ ایک ایسی آزمائش تھی جس کی ابتدا پھر کبھی انتہا آشنا نہ ہوئی بلکہ امتحان کا یہ طویل سلسلہ حیاتِ خلیل اللہ علیہ السلام کا مرکزی نقطہ اور مدار بن گیا۔ نار نمرود میں کود جانا، جسے اقبال نے شاعرانہ اصطلاح میں عشق لکھا ہے دراصل خلیل اللہ کا مضبوط ایمان تھا، جسے اقبال نے یقین محکم کا نام دیا ہے۔ میں نے کسی دنیادار کو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ تاریخ ہند میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ کسی مرنے والے ہندو راجا پر اس کی متعدد بیویاں، اس کے ساتھ زندہ، جلتی چتا میں کود کر جل مریں۔ مگر اول تو یہ اثر جہالت بلکہ ہندو سوسائٹی کی بدترین سفاکی کا عمل تھا۔ دوم یہ کہ ستی ہونے والی ان بدنصیب خواتین کی چیخیں گواہی دیتیں کہ انہوں نے یہ اذیت ناک موت خوشی سے نہیں بلکہ ظالم ہندو سماج کے جبر کے تحت قبول کی تھی جبکہ خلیل الرحمٰن جب آگ میں ڈالے گئے تو ان کے پاس یہ آپشن موجود تھا کہ نمرود کی خدائی قبول کر کے جان بچا لیتے مگر نہیں، بلکہ ایک فقید المثال ہمت، استقلال اور یقین محکم کے ساتھ اپنے ایمان کی شہادت پر کود گئے۔ ثبوت جس کا اس روایت پر ہے کہ جبریل علیہ السلام ایک اور امتحان در امتحان بن کر آئے کہ اگر وہ چاہیں تو ان کا ہر حکم بجالانے کو تیار ہیں۔ مگر مرحبا ان کی شہادت حق پر کہ نہیں، ہم تو اپنے رب تعالیٰ کے کسی بھی غیر سے استمداد نہیں کر سکتے اور یہیں سے رحمت الٰہیہ کا بحر بے کراں جوش میں آیا اور

بلا واسطہ سیدھا حکم نارِ شعلہ زن کو ٹھنڈی ہو جانے کا دیا۔ نکتہ سمجھئے، یہ جبرئیل علیہ السلام وہی تھے جو اُن پر وحی لاتے تھے، کوئی اجنبی نہ تھے۔ خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے پوچھنا ضروری سمجھا کہ خود آئے ہو، یا بھیجے گئے ہو؟ یہ جواب پا کر کہ خود آئے ہیں، تو جبرئیل علیہ السلام سے استمداد کو بھی شرک سمجھ کے ان کی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔ یہاں شعلہ جوالہ میں جل جانے کو شرک سے بہتر سمجھ کر سینے سے لگانے پر تیار ہو گئے۔ یہ قربانی اپنی جانِ عزیز کی پسرِ عزیز کی گردن پر چھری چلا دینے کی قربانی سے زیادہ عظیم یا کم تھی..... اس کا فیصلہ آپ خود کر لیں۔ پھر یہ بھی سوچیں کہ اسی پسرِ عزیز کو رضائے الٰہیہ پر قربان کرنا، جو بڑی دعاؤں اور تمناؤں سے مانگ مانگ کر لیا تھا، اس قربانی سے کم تھا یا زیادہ تھا جو اس وقت دی جب اس پارۂ جگر کو سمیت اس کی ماں کے عند بیت المحرم، آباد کر کے آئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا حتیٰ کہ بیوی نے پوچھ ہی لیا۔ کیا ایسا کرنا اللہ کے حکم سے ہے؟ فرمایا: ہاں تو اس عظیم عورت نے نہایت صبر و استقامت سے اللہ کا حکم مانا۔ میرے خیال میں یہ امتحان ذبحِ عظیم کے امتحان سے کچھ کم سنگین نہ تھا۔ مگر یہ سلسلہ امتحان کہیں ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ہر امتحان کے بعد ایک نیا امتحان شروع ہو جاتا تھا۔ اتنے سنگین امتحانات کے ذکر سے میرا قلم کانپ رہا ہے اور ان کی ہولناکی سے دل دہل رہا ہے۔ میرا تھوڑا سا علم جو حیاتِ خلیل الرحمٰن علیہ السلام سے متعلق مجھے حاصل ہے جس کا حاصل یہ تحریر ہے بے محابا کہہ اٹھا ہے، مرحبا، صد آفریں ابراہیم علیہ السلام جنہیں اللہ نے اپنا دوست بنایا۔ صرف دوست ہی نہیں بنایا۔ جدِ پیغمبراں بھی بنایا اور ملتِ اسلامیہ کا امام بھی اور اس ملت کو ملتِ ابراہیمی کا نام بھی دیا اور اس ملت سے علیحدگی کرنے والے کو بے وقوف قرار دیا یہ امامتِ امم کا تاج جو قرآن نے ان کے سر پر سجایا، اس میں ان ہی قربانیوں کے ہیرے موتی جگمگا رہے ہیں۔

ملتِ ابراہیمی ہی دراصل وہ سلسلہ بیعت ہے جس میں قرآن نے ہم تم کو باندھ کر جغرافیائی حدود، نسبی غرور اور وطنی قیود سے بلند، بہت بلند کر کے پرکارِ توحید کا مرکزی نقطہ بنا دیا اور اسی ملت کے گرد گھومنے میں کائنات ارضی کی سلامتی رکھ دی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی کا نو وکیشن میں جس میں تاج امامت، اللہ عزوجل نے ان کے سر پر سجایا پوچھ لیا کہ آیا یہ امامت کوئی موروثی ٹھرفکیٹ ہے جو نسل در نسل ان کی ذریت میں رہے گا تو جواب کی حکمت کا نظارہ دیکھئے۔ اثبات کو ظالمین کا استثنا دے کر یہ امامت آلِ ابراہیم علیہ السلام میں رکھ دی اور اس آلِ ابراہیم کو اپنی عطایا اور عنایا کی مثال قرار دے دیا اور پھر درود شریف میں ''کما صلیت'' کے ذریعے محمد و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ''صلِ علیٰ'' کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ یہاں یہ رمز سامنے آتی ہے اور یہ سرنہانی کھلتا ہے کہ جو

ملتِ ابراہیمی سے نکل گیا وہی بے وقوف ظالم قرار پا کر خود بخود آلِ محمد ﷺ سے بھی نکل گیا۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ گائیک، ناچے اور موسیقی کو روح کی غذا کہنے والے مردہ دل، فلمیں بنانے اور دیکھنے والے اپنے شبستانوں کو شراب و شاہد کی ظلمتوں سے آراستہ کرنے والے ہی تو ہیں جو راتوں کو جاگتے اور دن کو سوتے ہیں وہ ضرور اپنے انجام پر غور کریں!

قربانی سنتِ ابراہیمی ہے جو سنتِ محمدی قرار پا کر امت محمد یہ تک پہنچی۔ مسلمان اس کے قائل اور فاعل ہیں۔ قربانی کا اس جذبہ سے لبریز ہونا ضروری ہے جو قرآن میں یوں بیان ہوا ہے۔ ''کہہ دو، میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا مرنا (سب) اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔'' اس قربانی میں وہ اخلاص، وہ استقامت، وہ رضا جوئی شامل کریں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خانہ پدری کو تج دینے میں دکھائی۔ یہ عقیدہ توحید پر پہلی قربانی تھی۔ دوسری قربانی وہ تھی جس میں بیوی اور بچے کو حرم کعبہ کی بے آب و گیاہ وادی میں رب تعالیٰ کے حکم پر بٹھا آئے تھے۔ یہ رضائے الٰہیہ پر اپنی قیمتی متاعِ حیات کی قربانی تھی۔ نارِ نمرود میں کود جانا، دوسرے بڑے امتحان کی دوسری منزل تھی جس کا تقاضا یہ دیکھنا تھا کہ بھلا ہمارا خلیل اپنی متاع جان بچاتا ہے یا آگ کے الاؤ پر، جو مثلِ شمع اس کے صدق و صفا اور وفا کے سامنے شعلہ زن ہے، مثلِ پروانہ اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا آپشن لیا اور سرخرو ہوئے۔ یہ سارے نمونے اخلاص و وفا کے اپنی اپنی قربانی میں شامل کیجیے۔ مگر حق کی شہادت کبریٰ یعنی اپنے پیارے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دینا تو کسی دوسرے بشر عامہ بلکہ پیغمبر کے حصہ میں بھی نہ آئی تھی۔ نوح علیہ السلام کی شفقتِ پدری اپنے لختِ جگر کو پانی میں ڈوبتے دیکھ کر اتنی مضطرب ہوئی کہ بے قابو ہو کر بارگاہِ صمدیت میں دعا کر بیٹھے۔

ہم انبیاء پر ایمان لانے کی حد تک تو کوئی فرق نہیں کرتے، کیونکہ یہ فرق نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر خود قرآن نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو ہم بھی ابراہیم علیہ السلام کے ذبح پسر کے اقدام کو نوح علیہ السلام کے اپنا بیٹا بچا لینے کی التجا پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ اپنی قربانی میں، ہر حکم الٰہیہ پر اپنی گردن جھکانے اور نفس کی خواہش کو مٹانے کا جذبہ شامل کریں تو پھر وہ اجر ملے گا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ملا تھا۔ گوشت تم خود کھا جاتے ہو اور کھا جانے پر اتنے حریص ہو کہ غریب مسکین کو بھی بوٹی نہیں دیتے ہو اور اپنی اپنی ڈیپ فریزر میں ڈمپ کر لیتے ہو وہ تقویٰ کہاں گیا، وہ اخلاص کہاں گیا۔ وہ جذبہ ابراہیمی کہاں گیا؟؟؟ سب کچھ ڈیپ فریزر میں ٹھنڈا ہو گیا۔ جب جذبے میں ابراہیمی تپشِ اخلاص نہ رہی تو حاصل کیا ہوا؟ یہ ضرور سوچو!!!